© rasailojaraid.com

قرآن مجید کا ایک قدیم اُردو ترجمہ

دو سو سال پُرانی ترقی پذیر اردو نثر

از جناب سید محبوب صاحب رضوی

اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر تک اُردو نثر کی جو چند معدودے تحریریں ملتی ہیں اُن میں قرآن مجید کے ترجمے کی اولیت کا شرف کس کو حاصل ہے؟ اس میں البتہ اختلاف پایا جاتا ہے، قرآن مجید کی بعض اُردو تفسیروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ (۱۱۶۷ھ؍۱۷۵۳ء - ۱۲۳۰ھ؍۱۸۱۴ء) کا ترجمہ اردو میں پہلا ترجمہ ہے مگر اس کے برعکس اُردو زبان کے سب ہی تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ (۱۱۶۳ھ؍۱۷۴۹ء - ۱۲۳۳ھ؍۱۸۱۷ء) کا ترجمہ اُردو میں سب سے پہلا ترجمہ ہے۔ چنانچہ تعمیری ادب کے مصنف افضل حسین صاحب لکھتے ہیں:-

"اس دور کے زبردست کارناموں میں کلام پاک کے اُردو ترجمے ہیں، ایک لفظی ترجمہ ہے جو شاہ رفیع الدینؒ نے ۱۲۰۱ھ؍۱۷۸۶ء میں کیا، دوسرا ترجمہ بامحاورہ ہے اس کے ساتھ تشریحی نوٹ بھی ہیں، یہ کارنامہ شاہ عبدالقادرؒ کا ہے جو آپ نے چار پانچ سال میں ۱۷۹۰ء میں انجام دیا۔" [1] (تعمیری ادب حصہ نثر ص ۱۴ مطبوعہ ۱۹۶۲ء۔ کوہ نور پریس دہلی)

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں: (۱) تنویر ادب مؤلفہ صغیر احمد ایم اے - ص ۲۱۰، مطبوعہ نیشنل پریس الٰہ آباد۔
(۲) اُردو ادب کی تاریخ - از نسیم قریشی لکچرار شعبۂ اُردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ص ۱۳۶ مطبوعہ سرفراز پریس لکھنؤ۔

(باقی برصفحۂ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر صحیح بات یہ ہے کہ ۱۱۸۴ھ / ۱۷۷۰ء میں مذکورہ بالا دونوں ترجموں سے بہت پہلے اُردو زبان میں ترجمۂ قرآن کا آغاز ہوچکا تھا، لیکن اس وضاحت سے قبل یہ جان لینا مناسب ہوگا کہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ اور حضرت شاہ رفیع الدینؒ کے ترجموں میں کس کو اولیت حاصل ہے۔

شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ: اردو زبان کے تذکرہ نگاروں کی رائے غالباً اس مفروضے پر قائم ہے کہ حضرت شاہ رفیع الدینؒ چونکہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ سے عمر میں بڑے تھے اس لئے قرآن مجید کا ترجمہ کرنے میں اُن ہی کو سبقت کرنی چاہیے۔ مگر اس لحاظ سے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ (۱۱۵۹ھ / ۱۷۴۶ء - ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء) جو بھائیوں میں سب سے بڑے تھے ان کی تفسیر عزیزی ان دونوں ترجموں سے مقدم ہونی چاہیے، حالانکہ وہ ان ترجموں کے بعد ۱۲۰۸ھ / ۱۷۹۳ء میں لکھی گئی ہے، علاوہ ازیں اس مفروضے کی تائید میں کسی ہم عصر ماخذ کا حوالہ بھی نہیں ملتا۔ بلکہ اس کے برعکس اگر حضرت شاہ رفیع الدینؒ کا ترجمہ پہلے ہوچکا تھا تو موضح القرآن کے دیباچے جس طرح شاہ عبدالقادرؒ نے اپنے والدِ بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴ھ / ۱۷۰۲ء - ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء) کے فارسی ترجمے کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے کوئی وجہ نہ تھی کہ اپنے بڑے بھائی کے ترجمے کو نظرانداز کردیتے اور اس کا ذکر نہ فرماتے؛ چنانچہ شاہ عبدالقادرؒ نے موضح القرآن کے دیباچے میں لکھا ہے کہ:-

"کلام پاک خدائے تعالیٰ کا عربی زبان میں ہے، ہندوستانیوں کو اس کا سمجھنا بہت مشکل ہے اس واسطے اس بندے عاجز عبدالقادر کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے بابا صاحب بہت بڑے حضرت شیخ ولی اللہ، عبدالرحیم کے بیٹے سب حدیثیں جاننے والے ہندوستان کے رہنے والے نے فارسی زبان میں قرآن شریف کے معنیٰ آسان کرکے لکھے ہیں اسی طرح عاجز نے ہندی زبان میں قرآن شریف کے معنیٰ لکھے، الحمدللہ کہ یہ آرزو ۱۲۰۵ھ میں حاصل ہوئی"

(موضح القرآن جلد اول ص ۲ - مطبوعہ ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء مطبع احمدی دہلی)

(بقیہ صفحۂ گذشتہ) (۳) داستان تاریخِ اردو مرتبہ حامد حسن قادری پروفیسر سینٹ جانسن کالج آگرہ ص ۵۵۔
(۴) اُردو نثر کا تاریخی سفر مرتبہ محمد زبیر اسسٹنٹ لائبریرین، لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ص ۱۰۔ (۵) تعارف تاریخ ادبِ اردو جدید ایڈیشن مؤلفہ ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی شعبہ اردو لکھنؤ یونیورسٹی مطبوعہ سرفراز پریس لکھنؤ ص ۲۶۴ و ۲۶۵۔
(۶) جدید تاریخ ادبِ اُردو مرتبہ عظیم الحق جنیدی و سید امیر حسن نورانی ص ۲۷۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) نواب صدیق حسن مرحوم جنھوں نے اسی خاندان ولی اللہی سے تفسیر و حدیث کے علوم کی تحصیل کی ہے، انھوں نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں لکھا ہے کہ :-

"اللہ کا کلام عربی زبان میں ہے، ہندوستانی کو اس کا سمجھنا محال تھا، اس لئے پہلے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فارسی ترجمہ کلام اللہ کا لکھا، فتح الرحمٰن نام رکھا، پھر اُن کے فرزند بزرگوار شاہ عبدالقادر اُردو میں ترجمہ لکھ گئے، موضح قرآن نام رکھ گئے، اُس ترجمۂ ہندی سے ہندوستانیوں کو بڑا نفع ہوا، جس طرح ترجمۂ فارسی سے اہلِ علم نے فائدہ اٹھایا تھا" (دیباچہ ترجمان القرآن نواب صدیق حسن جلد اول مطبوعہ ۱۳۰۲ھ ۱۸۸۴ء)

(۳) مشہور و نامور مفسر قرآن مولانا عبدالحق حقانی نے لکھا ہے کہ اُردو میں سب سے پہلے شاہ عبدالقادرؒ نے ترجمہ کیا، مولانا حقانی تحریر فرماتے ہیں:-

"اُردو میں سب سے پہلے حضرت شاہ عبدالقادر ابن حضرت شاہ ولی اللہ کا ترجمہ ہے جو ۱۲۰۵ھ میں کیا تھا نہایت عمدہ اور ہر طرح سے قابلِ اطمینان ہے، دوسرا ترجمہ تحت اللفظ ان کے بھائی حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کا ہے، یہ بھی معتبر ہے"

(البیان فی علوم القرآن مصنفہ مولانا حقانی ص ۵۱، مطبوعہ ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء)

(۴) مولانا عبدالصمد صارم مصنف تاریخ القرآن نے ان دونوں ترجموں کا ذکر جس ترتیب سے اپنی تاریخ میں کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمے کو تقدم حاصل ہے، موصوف لکھتے ہیں:-

"ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلویؒ نہایت معتبر و مستند اور مقبول ترجمہ ہے اور بعد کے تمام اُردو ترجمہ کرنے والوں نے اس سے مدد لی ہے" پھر آگے چل کر حضرت شاہ رفیع الدینؒ کے ترجمے کے بارے میں لکھا ہے کہ "یہ بھی مقبول و مستند ترجمہ ہے" (تاریخ القرآن ص ۱۲۶)

(۵) ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب نے پرانی اُردو میں قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر کے بارے میں بڑی مفید معلومات فراہم کی ہیں اُن کی تحقیق بھی یہی ہے کہ حضرت شاہ رفیع الدینؒ کا ترجمہ موضح القرآن کے بعد کا ہے، مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ :-

© rasailojaraid.com

"شاہ رفیع الدین کے ترجمے کا سن صحیح طور پر معلوم نہیں ہوا، جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں اس ترجمے کا ذکر کیا ہے اُن میں سے کسی نے بھی اس کا سن نہیں لکھا، مولوی عبد الجلیل نعمانی نے اس ترجمے کے ایسے الفاظ کی فرہنگ شائع کی تھی جو آج کل استعمال میں نہیں آتے اس کے دیباچے میں وہ اس ترجمے کا سن ۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۶ء قرار دیتے ہیں، لیکن اس کی صراحت نہیں کی کہ یہ سن انھوں نے کہاں سے تحقیق کیا، ایسی صورت میں وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سن درست ہے، عام طور پر مصنفین نے اس خیال سے کہ یہ شاہ عبد القادر سے عمر میں بڑے تھے ان کے ترجمے کو زمانے کے لحاظ سے مقدم رکھا ہے لیکن یہ بھی محض قیاس ہے، اور جب تک کوئی قطعی ثبوت نہ ملے اس کی صحت مشتبہ ہے، البتہ ایک بات ایسی ہے جس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ بعد کا ہے، شاہ عبد القادر نے اپنے ترجمے کے دیباچے میں اپنے والد شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمے کا ذکر تو کیا ہے لیکن اپنے بھائی کے ترجمے کا کہیں اشارہ نہیں کیا، اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ اس وقت تک انھوں نے کوئی ترجمہ نہیں کیا تھا، شاہ رفیع الدین کا ترجمہ پہلی بار کلکتہ کے اسلام پریس سے دو جلدوں میں شائع ہوا، پہلی جلد ۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء میں اور دوسری جلد اس کے بعد شائع ہوئی، اس ایڈیشن کی خصوصیت یہ ہے کہ متنِ قرآن کے نیچے اردو ترجمہ نستعلیق ٹائپ میں ہے"

(پرانی اُردو میں قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر مطبوعہ رسالہ اردو، جنوری ۱۹۳۶ء)

شاہ رفیع الدین کا ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدینؒ کی تفسیر رفیعی سے بھی اُردو زبان کے تذکرہ نگاروں کے بیان کی تائید میں کوئی شہادت نہیں ملتی، تفسیرِ رفیعی کے دیباچے میں تفسیر کے ناشر میر عبد الرزاق بن نجف علی خان نے لکھا ہے:-

"کہتا ہے خاکسار میر عبد الرزاق بن سید نجف علی خان المعروف بہ فوجدار خان غفر اللہ لہ ولوالدیہ کہ والد بزرگوار میرے نے بخدمت عالم باعمل و فاضل بے بدل واقف علوم معقول و منقول خلاصہ علمائے متاخرین مولوی رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کی عرض کیا تھا کہ میں چاہتا ہوں

© rasailojaraid.com

کہ ترجمہ کلام اللہ تحت لفظی آپ سے پڑھ کر زبانِ اُردو میں لکھوں پھر اس کو آپ ملاحظہ فرماکر اصلاح دے کر درست فرما دیا کریں، چنانچہ آپ نے قبول فرمایا اور تمام کلام اللہ اسی طرح مرتب ہوا اور رواج پایا، اُسی صورت سے تفسیر سورۂ بقر کی بطور فائدوں کے تمام وکمال مفصل و مشرح لکھی تھی اور موسوم بہ تفسیر رفیعی کیا اس واسطے کہ نام مبارک اُن کا بھی رفیع الدین ہے اور حاشیہ پر دوسری تفسیر یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ کے کہ بہت معتبر اور جامع اور نادر و کمیاب ہے کہ آج تک اُن دونوں کا چھاپا نہیں ہوا تھا۔ اس عاجز نے واسطے فائدے خاص و عام کے چھپوایا کہ سب بھائی مسلمان اس سے فائدہ دین کا اٹھاویں اور خاکسار کے حق میں دعا خیر کریں۔

(دیباچہ تفسیر رفیعی مطبوعہ مطبع نقشبندی ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۵ء)

تفسیر رفیعی کے ناشر میر عبد الرزاق کے اس بیان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ رفیع الدینؒ کا ترجمہ خود اُن کے اپنے قلم کا لکھا ہوا بھی نہیں ہے، جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے، بلکہ اُن کے کسی شاگرد سید نجف علی نے حضرت شاہ رفیع الدینؒ سے سبقاً سبقاً یہ ترجمہ پڑھ کر بطور خود قلم بند کیا ہے، اور بعد میں حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے اس کی اصلاح فرمائی ہے!

مذکورۂ بالا تصریحات سے، واضح طور پر جو بات ثابت ہوئی وہ یہ ہے کہ حضرت شاہ عبد القادرؒ کے ترجمہ قرآن کو حضرت شاہ رفیع الدینؒ کے ترجمے پر تقدم حاصل ہے؛ اور ان شواہد کی موجودگی میں یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ جن حضرات نے اس کے خلاف شاہ رفیع الدینؒ کے ترجمے کو اُردو کا پہلا ترجمہ قرار دیا ہے صحیح نہیں ہے۔

اُردو زبان میں پہلا ترجمۂ قرآن جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے حضرت شاہ عبد القادرؒ اور حضرت شاہ رفیع الدینؒ کے ترجموں سے بہت پہلے اُردو زبان میں ترجمۂ قرآن کا آغاز ہو چکا تھا، تاریخی ترتیب کے لحاظ سے شاہ مراد اللہ انصاری کے ترجمے کو ان دونوں ترجموں پر تقدم حاصل ہے، یہ ترجمہ جو گوشۂ گمنامی میں پڑا ہوا ہے اور بہت کم لوگ اس سے واقف ہیں موضح القرآن (۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء) سے ۲۱ سال پہلے ۱۱۸۴ھ / ۱۷۷۰ء میں منصۂ شہود پر آچکا تھا، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ہندوستان میں بڑی جرأت و ہمت سے کام لے کر ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فتح الرحمٰن کے نام سے فارسی زبان میں جو اُس زمانے کی تحریری زبان تھی ترجمۂ قرآن کی طرح ڈالی تھی، اُن کی وفات ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء پر صرف ۵ سال گزرنے پائے تھے کہ شاہ مراد اللہ انصاری نے اُردو زبان میں ترجمۂ قرآن کا آغاز کیا۔

تفسیرِ مرادیہ | شاہ مراد اللہ انصاری نے تفسیرِ مرادیہ کے خاتمۂ کتاب پر لکھا ہے:-

"خدا نے اپنے فضل و کرم سے اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے عم سپارے کی تفسیر ہندی زبان میں تمام کروا دی، اور اس عاصی گنہگار مراد اللہ انصاری سنبھلی قادری نقشبندی حنفی کو یہ خدمت فرما کر توفیق بخش کر اس کے دل میں اپنے کلام پاک کا بیان بخشا، زبان کو ہاتھوں کو قوت بخشی، یہ خیر کا کام پورا کرا دیا، پھر اس تفسیر کا نام خدائی نعمت مقرر دیا، یہ تفسیر محرم کے مہینے کی چوبیس تاریخ جمعے کے دن گیارہ سو چراسی تمام ہو کر پچاسی شروع ہوا تھا تمام ہوئی۔"

یہ ترجمہ تفسیرِ مرادیہ کے ساتھ ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء میں ہوگلی میں چھپا تھا، مگر گورنمنٹ بنگال نے اس کو "وہابی" لٹریچر سمجھ کر ضبط کر لیا تھا، پابندی اُٹھ جانے کے بعد دوسری مرتبہ ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء میں کلکتہ میں طبع ہوا، اس کے بعد تیسرا ایڈیشن مطبع تاریہ کلکتہ سے ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء میں شائع ہوا، بعد ازاں متعدد ایڈیشن مختلف مطابع سے نکلے ابتدائی ایڈیشن ٹائپ کے حروف میں چھپے ہیں۔

تفسیرِ مرادیہ کا جو ایڈیشن ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء میں چھپا ہے اس میں ناشر نے خاتمۂ کتاب پر لکھا ہے:-

"خاکسار سید عبد اللہ ولد سید بہادر علی عفا اللہ عنہ نے صرف بہ نیت اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس محنت کی جزا دیوے اور شاہ مراد اللہ کی روح مجھ سے خوش ہو بہ دستِ اس کتاب کی تصحیح کر کے چھپوایا اور غلطیوں کو دور کیا جس کو باور نہ ہو تو اگلے چھاپے کی کتاب سے مقابلہ کر کے دیکھے اور انصاف کرے۔"

تفسیرِ مرادیہ کی مقبولیت | تفسیرِ مرادیہ کو اپنے زمانے میں بڑا قبولِ عام حاصل ہوا، ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء کے مطبوعہ ایڈیشن کی لوح پر ناشر نے لکھا ہے:-

"اضعف بندگانِ احد قاضی محمد پنڈری دیندار و دینداران صادق الاطوار کی خدمت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عرض پرداز ہے کہ یہ کتاب سعادت انتساب جس کا نام خدا کی نعمت کہ اسم بامسمّٰی ہے پیشتر اس کے بارہا چھپی اور ہاتھوں ہاتھ ہدیہ ہو گئی اور ہنوز اس کے شائقوں کے دست طلب بدستور سابق دراز رہے لہٰذا اس نا کسار نے ۱۲۷۱ھ ۱۸۵۴ء ہجری کی دسویں جمادی الاول روز سہ شنبہ مطبع محمدیہ میں چھپوایا"

اسی ناشر نے دوسری جگہ لکھا ہے :-

"تفسیرِ مرادیہ کہ نام اس کا خدا کی نعمت ہے اور باوجود بارہا چھاپے جانے کے ان دنوں میں وجود اس کا قلیل اور طالب شائق اس کے کثیر نظر آئے اس واسطے خادم الطلبہ بندہ محمد قاضی محمد نے بندر معمورۂ بمبئی میں زیورِ طبع سے مزین کیا"

تفسیرِ مرادیہ کا جو ایڈیشن کلکتہ کے مطبع ستّاریہ سے ۱۲۹۸ھ ۱۸۸۰ء میں نکلا ہے اس کے صفحات کی تعداد ۳۸۸ ہے، فی صفحہ ۲۱ سطریں ہیں، متن کا سائز ۸ × ۵ انچ ہے، یہ ایڈیشن نستعلیق ٹائپ کے حروف میں چھپا ہے۔

شاہ مراد اللہ انصاری یہ بات بڑی افسوس ناک ہے کہ تلاش اور تجسس کے باوجود شاہ مراد اللہ انصاری کے حالات کا پتہ نہیں چل سکا صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ان کے فرزند مولوی ثناء اللہ سنبھلی مرزا مظہر جانجاناں کے خلیفہ تھے، ان کو تفسیر و حدیث کے علوم میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ سنبھل (مراد آباد) میں علومِ ظاہری و باطنی کا درس دیتے تھے۔ (مقاماتِ مظہری ص ۴۳، ۴۴)

خلیق انجم صاحب لکچرار دہلی یونیورسٹی نے حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے فارسی خطوط اور دیگر نثری تحریروں کا ترجمہ حواشی و تعلیقات کے ساتھ شائع کیا ہے اس میں مولوی ثناء اللہ کے نام مرزا صاحبؒ کے چار خط درج کئے ہیں، مرزا صاحب ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :-

"محمد دانش بنگالی جو شاہ مراد اللہ کے دوستوں میں ہیں اور جو ڈیڑھ سال اس خانقاہ میں رہے ہیں آپ کی خدمت میں پہنچتے ہیں، ان پر مہربانی اور کرم کیجئے، ہرچند مردِ سادہ ہیں لیکن طالبِ خدا ہیں، جادۂ شریعت و طریقت پر خدا آپ کو اور استقامت دے"

(مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط مرتبہ خلیق انجم ص ۱۳۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاہ مراد اللہ انصاری حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ہم عصر تھے، ان کا ف[illegible] انصاری، مشرباً قادری، نقشبندی، مسلکاً حنفی اور وطناً سنبھلی ہونا تفسیر مرادیہ کے دیباچے سے ظاہر ہوتا [illegible] اس سے زیادہ ان کے حالات کا علم نہیں ہو سکا۔

شاہ مراد اللہ انصاری کے تبحرِ علمی کا اندازہ ان کے ترجمے اور تفسیر سے کیا جا سکتا ہے، قرآن حکیم [illegible] ان کی نظر گہری معلوم ہوتی ہے، مگر یہ عجیب بات ہے کہ ان کے نام اور ان کی تفسیر سے بہت کم لوگ واقف [illegible] حالانکہ ترجمۂ قرآن کے علاوہ اُردو نثر میں بھی انھوں نے قابلِ قدر کارنامہ انجام دیا ہے، افسوس ہے کہ اردو [illegible] کے دورِ اوّل کے ایک باکمال نثر نگار اور مترجمِ قرآن کے ذکر سے ہمارا تاریخی سرمایہ خالی ہے۔

شاہ مراد اللہ صرف قرآنِ مجید ہی کے ایک جید عالم نہ تھے بلکہ موجودہ ترقی پذیر اُردو نثر کا سنگِ بنیـ[illegible] رکھنے والے بھی ہیں، اُردو نثر کے اب تک جو نمونے دستیاب ہوئے ہیں اُن سب میں اُن کی تفسیرِ مرادیہ ایک ا[illegible] نثری کارنامہ ہے، جس کی امتیازی حیثیت کو اُردو نثر کی تاریخ میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اگر اس کے [illegible] متروکات کو حذف کر دیا جائے تو یہ باور کرنا مشکل ہے کہ یہ دو سو سال کی پرانی کوئی نثر ہے۔

اُردو نثر کا آغاز | اُردو زبان کے مؤرخین کی تحقیق کے مطابق اُردو نثر میں تصنیف و تالیف اور ترجمے کے آ[illegible] کا پتہ چودھویں صدی عیسوی سے چلتا ہے، ~~۷۲۱ھ~~ ۱۳۲۱ء کے لگ بھگ شیخ عین الدین گنج العلم دہلی سے دکن گئے [illegible] انھوں نے دکنی اُردو میں چند دینی رسالے تصنیف کیے، یہی دکنی اُردو میں سب سے پہلی کتابیں ہیں۔

شمالی ہند میں خواجہ سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ (وفات ۸۰۸ھ ۱۴۰۵ء) نے اخلاق و تصوف پر ایک رسالہ [illegible] پروفیسر حامد حسن قادری نے داستانِ تاریخِ اُردو میں لکھا ہے کہ:

"خواجہ سید اشرف جہانگیر سمنانی نے اُردو میں ایک رسالہ اخلاق و تصوف پر تصنیف کیا، لیکن آج تک یہ رسالہ دستیاب نہیں ہوا۔"

خواجہ محمد گیسو درازؒ (وفات ۸۲۵ھ ۱۴۲۲ء) کی معراج العاشقین اُردو کی سب سے قدیم کتاب ہے جو زیور [illegible] سے آراستہ ہو چکی ہے، دکن میں عہدِ قطب شاہی کے مشہور شاعر ملا وجہی نے سترھویں صدی کے اوائل [illegible] میں سب رس [illegible] اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اُردو نثر کی پہلی کتاب ہے جو ادبی اعتبار سے بہت بلـ[illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھتی ہے، اس کی زبان صاف اور ستھری ہے۔

نثر کے چند نمونے | اس دور کی اُردو نثر کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں، ان سے اس زمانے کی نثر اور نگارش کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، "سب رس" میں ملا وجہی کا طرزِ بیان یہ ہے:۔

"یو عجب نظم ہور نثر ہے۔ جانو بہشت میں کا قصر ہے۔ سطر سطر پر برستا ہے نور ہر یک بول ہے یک حور۔ اسے پڑ کر جنے حظ پایا جانو بہشت میں آیا۔ یہاں خدا بی بولنا رواج ہے۔ جکوئی بات ہماری چلیا وو ہمارا راج ہے۔ ہر چند فہم داری ہے، چلیا تو کیا ہوا بات ہماری ہے۔ اگر جتہ کسی نے کچھ جانیا۔ ہم ظاہر ہور باطن اسے نیں منیا تو وہ مسلمان نیں۔ اسے ایمان نیں۔ ایسے سے ڈرنا۔ جھوٹ سوں پرہیز کرنا یو بی ایک چوری ہے۔ یو بی یک حرام خوری ہے۔ نمک پر حرام۔ اس کا کیا اچھے گا فام۔ جیسے انصاف کی نیں سلکت، اسے دل کا ذبیح میں انپڑتی سٹ جنے انصاف چھپایا۔ اُنے دل کو بے دل کیا کام گنوایا۔ حاجت میں جکوئی کرے زبان۔ اپس کون اپنے کیا نقصان۔ اگر تو ہے فہم دار۔ اپنی رنج کو مار۔ یو بات دل میں رکھ مردان کی یادگار۔ جس نے رنج کوں جلایا اُنے خدا کو پایا کھینچ کچھ جدا ہے۔ رنج میں خدا ہے۔"

(منقول از سب رس ملا وجہی، مرتبہ شمیم انہونوی، مطبوعہ مکتبہ کلیان لکھنؤ)

(۲) ۱۱۴۵ھ/ ۳۲-۱۷۳۲ء میں فضل علی فضلی نے کربل کتھا کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، یہ کتاب دراصل حقیقت ملا حسین واعظ کاشفی (وفات ۹۱۰ھ/ ۱۵۰۴ء) کی روضۃ الشہداء کا آزاد ترجمہ ہے، فضلی نے اس کتاب کی ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء میں نظرِ ثانی کی ہے، یہ دور محمد شاہ رنگیلے اور احمد شاہ کے عہدِ سلطنت کا ہے، کربل کتھا کو دہلوی زبان کا نقشِ اولین کہا جاتا ہے، اس کا طرزِ تحریر یہ ہے:۔

"چوں روشنی صبح ظاہر ہوئی ایک مرتبہ ایک آواز آسمان سے آئی کہ اے دوستانِ خدا ارکبوا یعنی سوار ہو کہ وقتِ لڑائی کا ہے اور ساعتِ کوچ آئی، ام کلثوم یہ آواز سونتے ہی مانند بے ہوشوں کے چنگھاڑ مار بھائی حسین کے خیمہ میں دوڑیں اور کہیں اے یہ آواز جو آسمان سے آئی تم نے بھی سونی، حضرت کہے اے بہنیا آواز بھی سونا اور اس سے بھی عجیب تر حقیقت دیکھا، ابھی آنکھ میری لگی..

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جھپکا ہی تھی لیکن دل جاگتا تھا، دیکھتا ہوں کہ کئی کتوں نے مجھ پر حملہ کیا اون میں ایک کتا تھا کوڑھی، نہایت دیوانہ، میں اسے دیکھ کر دل میں کہا یہ مجھے مارے گا، اسی فکر میں تھا کہ نانا محمد مصطفیٰ مجھ پاس آئے، اے فرزند اور اے شہید آلِ محمد میں اور رہنے والے آسمان کے اور مقرب خدا کے تیری روح کے استقبال کو آئے، کوشش کر آج رات مجھ ساتھ افطار کرے اور دادا کے ساتھ ایک فرشتہ تھا اور اس ہاتھ ایک شیشہ سبز دادا نے کہا اے حسین اسے پہچانتا ہے، میں کہا کہ نہیں، فرمائے یہ فرشتہ ہے، آسمان سے شیشہ سبز لے آتا، تا تیرا لہو اس میں بھرے، ام کلثوم بیتاب ہو رونے لگیں اور امام مظلوم نے کہا اے ہمشیرہ سب اہلِ بیت کوں بولا کہ رخصت ہو لوں، مولفہ

الوداع اے دوستو ہیگا ہمارا اب سفر ✤ تم کو سونپے حق کنے ہم جاتے ہیں کے اپنے

آہ جب اہلِ حرم اور فرزند پُرغم حاضر ہوئے حضرت نے فرزندوں کوں اپنے پاس بٹھایا اور سبھوں کی پیشانیوں پر دسے چھاتی سے لگایا اور زار زار رو فرمایا، اے جگر گوشو نہیں جانتا کہ تم سے کیا بولوں اور سفارش تمہاری کس سے کروں، پھر شہر بانو کی طرف دیکھ کہے، اے بابا وا۔ آرام سینہ نہیں جانتا کہ ان یتیموں تمیت کیا کرے گی اور رحم ان کا کیسے کھاوے گی، وفغاں اہلِ بیت سے اوٹھا اور کشتی صبر اون کی تباہی ہوئی، مولفہ

غم کا دریا اوٹھا سب کی آنکھوں سے ✤ آنسو جھڑنے لاگے ساری پلکوں سے

(۴) شاہ مراد اللہ انصاری کے ہم عصر مصنف باقر آگاہ ویلوری (مدراس) نے ۱۱۸۵ھ / ۱۷۷۱ء میں فقہ اور عقائد پر دکنی اُردو میں لکھی ہیں، ان کتابوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ پہلے مصنف ہیں اردو نثر میں علمی کتابوں کی تصنیف کا آغاز کیا، اُن کی نثر کا نمونہ یہ ہے:-

"بعض علمائے متاخرین خلاصہ عربی کتابوں کا نکال کر فارسی میں لکھے ہیں تا وہ لوگ جو عربی پڑھ نہیں سکتے ان سے فائدہ پاویں لیکن اکثر عورتاں اور تمام آدمیاں فارسی سے بھی آشنا نہیں ہیں یہ عاصی مطلوب قسم اوّل کا بہت اختصار کے ساتھ لے کر دکھنی رسالوں میں بولا ہے اور ہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے وزن علیحدہ ہونے سے خواہش و آرزو پڑھنے والوں کی زیادہ ہو دے چھ رسالے اول کے مع رسالہ عقائد سنہ ایک ہزار ایک سو اسی اور پانچ (۱۱۸۵ھ) میں بنے ہیں، اور ان سب رسالوں میں شاعری نہیں کیا ہوں بلکہ صاف اور سادہ کہا ہوں اور اردو کے بھاکے میں نہیں کہا کیا واسطے کہ رہنے والے یہاں کے اس بھاکے سے واقف نہیں ہیں، اے بھائی یہ رسالے دکھنی زبان میں ہیں "

(۴) یہ سب وہ بزرگ ہیں جنھوں نے اولاً اُردو نثر کی داغ بیل ڈالی، گو موجودہ نثر کی بنیاد جن کتابوں پر قائم ہے اُن کی ابتدا انیسویں صدی عیسوی سے ہوتی ہے۔ لیکن اس زمانے میں بھی اردو نثر میں جو کتابیں لکھی جاتی تھیں اُن کی عبارت بھی اکثر فارسی طرز ادا اور انداز بیان کے اثر سے متاثر و مسجع اور رنگین و پر تکلف ہوتی تھی، سادہ اور سلیس نثر کے بجائے اس میں بھی تصنع اور تکلف کا عنصر غالب نظر آتا ہے،

مصحفی (۱۱۶۴ھ/۱۷۵۱ء - ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) نے میر حسن دہلوی (۱۱۴۰ھ/۱۷۲۷ء - ۱۲۰۱ھ/۱۷۸۶ء) کی مثنوی سحر البیان پر جو تبصرہ لکھا ہے اس کی نثر کا نمونہ یہ ہے:

"مثنوی سحر البیان اسم بامسمّٰی ہے کیونکہ اس کا ہر شعر اہلِ مذاق کے دلوں کو لبھانے کو موتی منتر ہے اور ہر داستان اس کی سحر سامری کا ایک دفتر جو چیز کہ حقیقت میں خوب ہوتی ہے وہی ہر ایک کو مقبول و مرغوب ہوتی ہے راست ہے کہ انداز اس کا سراپا اعجاز ہے اور وہ ہر ایک صاحب طبیعت کی دمساز ہے تعریف اس کی جہاں تک کیجئے بجا ہے کیونکہ فصاحت و بلاغت کا اس میں دریا بہا ہے احیاناً اگر کسی شعر میں غلطی و یا اُس کی بندش میں سُستی پائی جائے تو قابل نام دھرنے و اعتراض کرنے کے نہیں اس لئے کہ جہاں ہنر کی کثرت ہوتی ہے وہاں عیب بقلت شمار میں نہیں آتا اور تعرض اس کا مُنصف مزاجوں کو نہیں بھاتا "

(منقول فہرست مشروح کتب قلمیہ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد جلد دوم ص ۴۳۰)

(۵) میر امّن دہلوی جو فورٹ ولیم کالج کے مصنفین میں سب سے زیادہ نامور اہلِ قلم گزرے ہیں اور جن کو جدید اردو نثر کا سنگ بنیاد رکھنے والا سمجھا جاتا ہے۔ ان کی مشہور کتاب باغ و بہار ادبیاتِ اُردو میں سدا بہار ہے،

© rasailojaraid.com

انھوں نے سنہ ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ء میں ملا حسین واعظ کاشفی کی مشہور کتاب اخلاق محسنی کا اردو ترجمہ کیا ہے جو گنج خو
کے نام سے موسوم ہے۔ یہ ترجمہ تفسیر مرادیہ سے تقریباً ۳۲ سال کے بعد کیا گیا ہے، تفسیر مرادیہ کی عبارت
پیش کرنے سے قبل مناسب ہوگا کہ اس پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔[1] میر امّن لکھتے ہیں:

"کہتے ہیں کہ ایک بزرگ نے جب اپنی زندگی کی امانت اجل کے فرشتے کو سونپی اور اسباب اپنی ہستی کا اس سرائے فانی سے منزل باقی میں پہنچایا کسو شخص نے انھیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ مرنے کے بعد تم پر کیا کیا واردات گزری اور اب کیا حال ہے؟ جواب دیا کہ ایک مدت تئیں عذاب کے عقاب کے پنجے میں اور سختی کے شاہین کے چنگل میں گرفتار تھا ایک بارگی کریم کے کرم سے اس حالت سے چھٹکارا ہوا سارے گناہ معاف ہو گئے۔ سائل نے پھر سوال کیا کہ اس کا کیا سبب ہے اور باعث ہے، کچھ تمھیں معلوم ہو تو بیان کرو کہ کس کے وسیلہ سے نجات پائی۔ بولے کہ ایک میدان میں مسافرخانہ بنایا تھا۔ شاید کوئی غریب راہ چلتا جیٹھ کے دنوں دوپہر کی دھوپ میں تپتا ہوا اس کے سایہ میں آن کر بیٹھا اس نے کوئی دم آرام پایا۔ جب ٹھنڈا ہوا اور راہ کی ماندگی سے ہرا بھرا خوش ہو کر نہایت عاجزی سے بدل دعا کی اے خدا اس مکان کی بنا کرنے والے کے گناہ بخش اور اس کی روح کو فردوس کی گھنی پھلواری میں جگہ دے، وہیں اس کی دعا کا تیر قبولیت کے نشانہ پر درست بیٹھا میری آمرزش ہوئی اور جہنم کے گڑھے سے نکال کر بہشت کے غرفہ میں رہنے کا حکم ہوا۔"

(گنج خوبی مطبوعہ مطبع محبوب بمبئی ص ۸۲ سنہ ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء)

(۶) فورٹ ولیم کالج کے ابتدائی دور میں مرزا علی لطف نے سنہ ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء میں شعرائے اردو کا ایک تذکرہ گلشن ہند لکھا ہے، یہ تذکرہ اگرچہ تفسیر مرادیہ کے ۳۰ سال بعد لکھا گیا ہے، مگر زبان صاف او

[1] میر امّن کی باغ و بہار کے بجائے گنج خوبی کی عبارت کا انتخاب اس لئے کیا گیا ہے کہ اول الذکر داستان و افسانہ کا مجموعہ ہے جس کے طرز نگارش میں مترجم کا قلم آزاد ہے، اس کے برعکس گنج خوبی اخلاقیات کے ان سنجیدہ علمی مباحث پر مشتمل ہے جس کے ترجمے میں مترجم کو نفس مضمون کے علاوہ الفاظ کا بھی پابند رہنا پڑتا ہے۔

© rasailojaraid.com

ادہ ہونے کے باوجود قافیہ پیمائی سے مصنف کو چھٹکارہ نہ مل سکا، اس کی نثر کا نمونہ یہ ہے:۔

"اس شہزادۂ عالی تبار کی طبیعت شعر کی طرف اس قدر آئی تھی کہ مہینے میں دو مرتبہ بنا مشاعرے کی اپنے دولت خانہ پر ٹھہرائی تھی، شعرائے باوقار کو اپنے چوبدار بھیج کر مشاعرے کے دن بلواتے اور ہر ایک شخص سے نہایت الطاف اور عنایت کے ساتھ گرم جوشی فرماتے، چنانچہ راقم حقیر کو جب یاد فرمایا تو اس ہیچمدان نے یہ عذر کہہ کر بھجوایا کہ کمترین نے مشاعرے کا جانا مدت سے موقوف کیا ہے، ازبسکہ ان صحبتوں میں مناظرہ ہی گویا ان عالی حوصلہ نے رواج دیا ہے۔ اگر ارشاد ہو تو سوائے مشاعرے کے ایک دن بندگی میں حاضر ہوں اور اس تخم نا کاشتنی بے مغز کو موافق ارشاد کے زمینِ عرض میں بوؤں، پذیرا نہ ہوا، پھر چوبدار آیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ تیرا حاضر ہونا مشاعرے میں نہایت ضروری ہے، مناظرے کا مطلق ہمارے ہاں نہیں دستور ہے، غرض ایما سے نواب آصف الدولہ مرحوم کے حاضر ہوا اور شرفِ سعادت ملازمت کا حاصل کیا، مکرر غزلیں اس دن از راہ تفضلات کے پڑھوائیں اور ہر شعر پر کیا کیوں کیا کیا عنایتیں فرمائیں، پھر اپنی طبع زاد سے بہت کچھ ارشاد فرمایا اور سامعین کو مورد عنایت والا فرمایا، سنہ ۱۲۰۱ھ ۱۷۸۶ء میں بلدۂ بنارس کے اندر اس سریر آرائے بارگاہ شوکت و اجلال نے تخت نشینی ملکِ فنا کی چھوڑ کر اور رنگ آرائی کشورِ بقا کی اختیار کی"

(تذکرہ گلشنِ ہند مرزا علی لطف مطبوعہ رفاہِ عام پریس لاہور سنہ ۱۹۰۶ء ص ۴۲)

تفسیر مرادیہ کی نثر کا نمونہ اب ذیل میں تفسیر مرادیہ کی نثر کا طرز اور بعد ازاں ترجمے کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے جس سے اس کی ترقی پذیر زبان، جملوں کی سلاست و روانی اور ان کی ساخت کا اندازہ ہوگا:۔

فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْریٰ کی تفسیر میں لکھا ہے، "پس تحقیق آسان کریں گے ہم اس کو یسریٰ کے واسطے بہشت کی راہ اس کے اوپر آسان کریں گے"،

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں اتری ہے، قصہ یہ ہے:۔

"ایک بڑا کافر مشرک تھا، اس کا امیہ نام تھا، خلف کا بیٹا، اس کو امیہ بن خلف کہتے تھے، حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلال رضی اللہ عنہ جو بہت بڑے اصحابوں میں ہیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر اوّل ایمان لائے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ مل کر اور بہت بڑا درجہ ہے اُن کا، پہلے وہ اُس مشرک کے غلام تھے، اُس کے بُت خانہ کے داروغہ تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا مسلمان ہوئے اپنے ایمان میں، بہت محکم ہوئے، سچے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بندگی میں، عبادت میں، جیسا حکم تھا قائم ہوئے، ایک ذرہ تفاوت نہ کرتے تھے، اُن کے ایمان کی، مسلمانی کی خبر اُمیّہ کو معلوم ہوئی۔ ایک دن اُس نے حضرت بلال سے پوچھا، بلال تو کس کی بندگی کرتا ہے؟ بتوں کو پوجتا ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کو پوجتا ہے؟ حضرت بلال نے کہا میں اس معبود برحق کی بندگی کرتا ہوں جس کا کوئی دوسرا شریک نہیں۔ آسمان زمین کا اور سب خلق کا پیدا کرنے والا، پالنے والا، روزی دینے والا، دانا بے نیاز وہ اللہ تعالیٰ سچا خداوند ہے۔ اور ان بتوں کے پوجنے سے میں بے زار ہوا، ناخوش ہوا، اُن کی بندگی بے فائدہ ہے۔

اُمیّہ یہ باتیں سُن کر ناخوش ہوا، کہا تو اس دین سے پھر، بے زار ہو، نہیں تو میں تجھ کو مار ڈالوں گا۔ عذاب کروں گا۔ حضرت بلال نے کچھ پروا نہ کی، ایسی باتیں کیں جو اُس نے مقرر جانا کہ یہ دین سے پھرنے کے نہیں، پھر اُس کا ڈرتے مارنا، عذاب کرنا مقرر کیا۔ طرح طرح کے عذاب کرتا، کسی طرح مسلمانی سے ناخوش ہو ویں، بُت پرستی میں پھر آویں۔ مگر ان باتوں سے اُن کا ایمان زیادہ بڑھتا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت مسلمانی کی دوستی بہت ہوتی جاتی تھی۔ کبھی ان کو ننگا کر کر کانٹوں کی چھڑیوں سے مارتا، کانٹے ان کے بدن میں گوشت میں چبھ چبھ جاتے اور جب دھوپ گرم ہوتی ننگے بدن میں اُن کے زرہ پہنا کر دھوپ میں بٹھاتا، اور کبھی ان کو ننگا کر کر دھوپ میں گرم ریتی میں لٹاتا اور ان کے سینے کے اوپر بھاری پتھر رکھتا۔ اسی طرح کے عذاب کرتا اور کہتا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے پھر۔ وہ اللہ و رسول کو یاد کرتے اور کہتے اللہ احد رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

ایک دن حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کسی کام کو اس طرف چلے جاتے تھے، اُمیّہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے گھر سے ایک آواز رونے کی اُن کے کان میں پڑی۔ لوگوں سے پوچھا کیا ہے کہا اُمیہ اپنے غلام کو مارتا ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا پر ایمان لایا ہے۔ وہ اُس دین سے اب اُسے پھرایا چاہتا ہے، وہ نہیں پھرتا۔ یہ بات سُن کر ابوبکر صدیق رضؓ اُس کے دروازے میں گئے اُس کو بلایا احوال پوچھا، اُس نے یہ سب حقیقت کہی، حضرت ابوبکر نے اُس سے کہا ویلک لو تعذب ولی اللہ۔ خوار ہو تو، بلا کی آوے تیرے اوپر، خدا کے دوست کو کیوں ایسا عذاب کرتا ہے۔ اُمیہ نے کہا جو تیرا دل اُس کے اوپر بہت جلتا ہے بڑا اُس کا مہربان ہے تو اُس کو میری قید سے چھڑا لے، اس کو مجھ سے مول لے۔ انھوں نے کہا تو بیچتا ہے، کہا میں بیچتا ہوں کہا کتنے کو بیچتا ہے، کہا وہ تیرے اُس رومی غلام کے بدلے میں بیچتا ہوں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے پاس غلام تھا گورا چٹا رومی نسطاس اُس کا نام تھا، دس ہزار دینار اس کے پاس حضرت ابوبکر کی سوداگری کا مایہ تھا، پونجی تھی۔ اور وہ غلام دنیا کے بہت کام کا تھا سوداگری خرید و فروخت، جواب سوال خوب جانتا تھا، اُمیہ کے اور سب لوگوں کے پاس اس کی قدر تھی۔ حضرت ابوبکر رضؓ اُس کو مسلمان ہونے کو کہتے تھے اور اُس سے کہتے تھے اقرار کرتے تھے جو مسلمان ہووے تو یہ مال سب تیرا تجھی کو بخش دوں گا، وہ ہرگز مسلمان نہ ہوتا تھا کفر ہی پہ خوش تھا، اس سبب حضرت ابوبکر رضؓ اس سے بیزار رہتے تھے۔ اُمیہ یہ بات بہت بڑی جان کر کہتا تھا اور حضرت بلال اُس کے پاس بہت بے قدر تھے۔ جانتا تھا ابوبکر ایسے ناکارے غلام کو ایسے کام کے غلام سے کس طرح بدل کرے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے یہ بات اُس سے سُنی اُسی وقت قبول کی، غنیمت جانی۔ خوش ہو کر نسطاس کو بلا کر دس ہزار دینار کے ساتھ اُس کے حوالے کیا اور حضرت بلال کا ہاتھ پکڑ کر لے چلے۔ اُمیہ ہنسا، حضرت ابوبکر رضؓ نے پوچھا تو کیوں ہنستا ہے۔ اُس مشرک نے کہا تم نے اپنا بڑا نقصان کیا، کچھ سمجھ نہ آئی تم کو، یہ غلام میرے پاس ایسا بے قدر تھا جو کوئی ایک دمڑی کو مول لیتا تو میں دے ڈالتا۔ تم نے ایسے کام کے غلام کے بدلے اور دس ہزار دینار کے بدلے میں بلال کو لے لیا بڑا نقصان کیا۔ حضرت ابوبکر رضؓ بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت ہنسے اور اُس سے کہا نقصان زیاں تو تجھ کو ہوا بلال کی قدر میرے پاس ایسی ہے جو تو اس کو میرے سارے مال متاع کے بدلے میں دیتا تو غنیمت جانتا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ بلال کو لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، قصہ بیان کیا۔ حضرت نبی صاحب صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا ابوبکرؓ تم نے بہت بڑا کام کیا۔ بلال کے مول لینے میں، خرید کرنے میں مجھے بھی شریک کرو، حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں بلال کو خدا کے واسطے خرید کیا جو خدائے تعالیٰ لاشریک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اب میں نے بلال کو اسی خدا کی رضا کے واسطے آزاد کیا۔ حضرت نبی صاحب صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور سب اصحاب خوش ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں یہ سورت بھیجی " (ص ۳۲۰ - ۳۲۳ مطبوعہ کلکتہ ۱۲۹۸ھ ۱۸۸۰ء)

سورۃ النازعات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :-

" ایک دن حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے فرعون کا ایک مصاحب ایک طمانچے سے مارا گیا، فرعون کو خبر ہوئی اس کے دل میں آیا کہ یہ وہی لڑکا ہے جو میرا دشمن ہے اس مصاحب کے بدلے اُن کے مارنے کی مصلحت کی، جو آدمی حضرت موسیٰ کا دوست تھا اس نے کہا تم اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ، تمہارے مارنے کی مصلحت ہوئی ہے، حضرت موسیٰ اکیلے راتوں رات چھپ کر اُس شہر سے نکل کر کئی دن میں مَدیَن ایک شہر تھا وہاں پہنچے۔ اس شہر میں حضرت شعیب پیغمبر رہتے تھے، اُن سے ملاقات کی قصہ کہا۔ انھوں نے بہت تسلی دی خاطر جمع کی۔ دس برس اُن کے پاس رہے، ان کی بکریاں چرائیں، پھر حضرت شعیب نے اپنی بیٹی کا کہ بی بی صفورا ان کا نام تھا حضرت موسیٰ کے ساتھ نکاح کر دیا۔ پھر دس برس کے بعد حضرت موسیٰ حضرت شعیب سے رخصت ہو کر اپنی بی بی کو ساتھ لے کر مصر کی طرف اپنی ماں سے اور اپنے بھائی سے جن کا نام ہارون تھا ملنے کے واسطے چلے۔ پھر سفر میں راہ میں ایک وقت رات کو چلے جاتے تھے اندھیاری رات تھی جاڑا تھا، مینھ برستا تھا، اس وقت ان کی بی بی کو دردِ زِہ یعنی جننے کا درد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا ہوا آگ کی تلاش ہوئی، حضرت موسیٰ نے سب لوگوں کو اپنے قافلے کے کہا تم اسی جگہ رہو میں کہیں سے ڈھونڈ کر آگ لاؤں، باہر نکل کر ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر ہر طرف نظر کی، ایک طرف دور سے آگ نظر آئی، یے اس طرف چلے ایک پہاڑ آیا اُس کے اوپر چڑھے ایک درخت کے اوپر آگ نظر آئی، انھوں نے آگ لینے کو ہاتھ پھیلایا وہ آگ سرک گئی اپنے عصا سے ایک لوکا باندھا جلانے کے واسطے، عصا اوپر اٹھایا وہ آگ اور اوپر جارہی، حضرت موسیٰ کو خوف پیدا ہوا، ڈرے حیران ہوئے، یہ کیا چیز ہے، کیوں کر اوپر سرک جاتی ہے، اسی فکر میں تھے جو درخت کے اوپر کی طرف سے آواز آئی موسیٰ ڈر دمت یہ وادیٔ مقدس ہے، اس مکان کا طویٰ نام ہے، میں پروردگار ہوں تیرا، اپنا پیغمبر بنایا، فرعون کی طرف جا، وہ خدائی میں آپ کو شریک کرتا ہے، غرور و تکبر کرتا ہے، گم راہ ہوا ہے ظلم کرتا ہے، خلق کو گمراہ کرتا ہے، تو جا کر اس کو میری طرف سے پیغام دے، ہدایت کر، راہ بتا، بندگی کی، توحید کی، اور بنی اسرائیل کو ہدایت کر، راہ دکھلا، بندگی کی راہ میں بلا، حضرت موسیٰ نے یہ کلام الٰہی سنی خوف ڈر جاتا رہا، دل کو اُن کے تسلی اور تسکین آئی۔ جو کچھ حکم پروردگار تھا قبول کیا۔"

(ص ۶۶ و ۶۷ مطبوعہ مطبع ستاریہ کلکتہ ۱۲۹۷ھ ۱۸۸۰ء)

شاہ مراد اللہ کے ترجمۂ قرآن کا طرز یہ ہے:۔

"سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہان کا بہت مہربان نہایت رحم والا مالک انصاف کے دن کا تجھی کو ہم بندگی کریں اور تجھی سے مدد چاہیں چلا ہم کو راہ سیدھی راہ ان کی جن پر تو نے فضل کیا نہ جن پر غصے ہوا اور نہ بہکنے والے"

"فائدہ۔ یہ سورہ اللہ صاحب نے بندوں کی زبان سے فرمایا ہے کہ اس طرح کہا کریں۔ جن پر تو نے فضل کیا ان سے چار فرقے مراد ہیں نبیین و صدیقین و شہدا و صالحین اور جن پر غصے ہوا ان سے یہود اور گمراہوں سے نصاریٰ مراد ہیں"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفسیرِ مرادیہ کی زبان پر اگرچہ دو سو سال گزر چکے ہیں مگر یہ موجودہ نثر سے بہت ملتی جلتی ہے
زمانہ گزر جانے کے باوجود اس میں ایسی کھنگی نہیں ہے جو غیر مانوس ہو، اس میں کوئی شکستہ
اس زمانے کی بعض ترکیبیں بدل گئی ہیں، جملوں کی ساخت بھی تبدیل ہوگئی ہے، اور بعض ا
تذکیر و تانیث میں بھی تغیر ہوگیا ہے، مگر یہ تبدیلیاں دو سو سال کی طویل مدت کے مقابلے
اہمیت نہیں رکھتیں، کر کے کے بجائے "کر کر"، وہ کی جمع "وے" آج کل متروک ہے، یا اُ
بجائے "اُن نے" وغیرہ، لیکن "وے" وغیرہ ایسے لفظ ہیں جو میر اُمّن کے یہاں بھی ملتے
تفسیرِ مرادیہ کی زبان کے بارے میں مولوی عبدالحق مرحوم نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ
زبان بہت صاف اور سادہ ہے، متروک الفاظ خال خال ہیں اور وہ بھی بہت معمولی ہیں۔

اب تک اُردو زبان میں قرآن مجید کے جتنے بھی ترجموں کا پتہ چل سکا ہے اُن میں یہ ترجمہ
زیادہ قدیم ہے، تفسیرِ مرادیہ اگرچہ صرف پارۂ عم کا ترجمہ و تفسیر ہے مگر جہاں تک قرآن مجید کے
میں ترجمے کا تعلق ہے اسی کو تقدم اور اوّلیت حاصل ہے، اور اسی نے بعد کے مترجمین کے لئے
نمونہ پیش کرنے میں سبقت کی ہے، شاہ مراد اللہ نے اردو زبان میں ترجمۂ قرآن کی طرح ڈالا
ایسا نمونہ پیش کیا جس نے بعد کے مترجمین کے لئے مشعلِ راہ کا کام دیا، یہ تفسیر اس وقت لکھی
جب اردو نثر علمی تصانیف سے بالکل تہی دامن تھی، اُس زمانے میں اردو بول چال کی زبان
اس میں شعر و شاعری بھی ہوتی تھی، مگر نثر نگاری بالکل ابتدائی حالت میں تھی اور جو کچھ تھی وہ فا
میں گرفتار تھی، صاحبِ ذوق عموماً نظم ہی میں طبع آزمائی کیا کرتے تھے، اُس دور میں اُردو ا
بیشتر سرمایہ غزلیات، قصائد اور مثنویات پر مشتمل ہے: اس لئے اگر شاہ مراد اللہؒ کو
مترجمینِ قرآن مجید کا رہنما کہا جائے تو غلط نہ ہوگا!

الفضل للمتقدّم۔ اُنھوں نے اپنے بعد آنے والے مترجمین کے لئے ترجمۂ قرآ
کر کے بڑی رہنمائی کی ہے۔ اُس زمانے میں ترجمۂ قرآن کی داغ بیل ڈالنے کی اہمیت کا اندازہ جن
مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی اس تحریر سے کیا جا سکتا ہے جو انھوں نے اپنے ترجمۂ قرآن کے مقد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی نسبت ظاہر فرمائی ہے لکھا ہے :-

"حضرت مولانا شاہ ولی اللہ اور مولانا شاہ رفیع الدین اور مولانا شاہ عبدالقادر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے تراجم کو غور سے دیکھا تو یہ امر بے تامل معلوم ہوگیا کہ اگر یہ مقدس اکابر قرآن شریف کی اس ضروری خدمت کو انجام نہ دے جاتے تو اس شدید ضرورت کے وقت میں ترجمہ کرنا بہت دشوار ہوتا۔ علماء کو صحیح اور معتبر ترجمہ کرنے کے لئے متعدد تفاسیر کا مطالعہ کرنا بہت دشوار ہوتا اور ان دقتوں کے بعد بھی شاید ایسا ترجمہ نہ کرسکتے جیسا کہ اب کرسکتے ہیں۔"

پھر آگے چل کر لکھا ہے کہ :-

"اگر اکابر مرحومین ہماری ضرورت اور منفعت کا احساس فرماکر پہلے سے اس کا انتظام نہ کرجاتے تو آج اس کثرت اور سہولت کے ساتھ ہم کو تراجم کلام الٰہی اچھے سے اچھے ہرگز میسر نہ ہوتے اور کچھ عجب نہ تھا کہ جیسے خود ہندوستان میں بہت سی زبانیں اور دیگر ممالک میں مسلمانوں کی بڑی بڑی قومیں اس نعمت اور عزت سے خالی یا مثل خالی کے ہیں ہم بھی اس نکبت میں مبتلا ہوتے، فجزاہم اللہ عنّا وعَن جمیع المسلمین۔"

(مقدمہ ترجمہ قرآن مجید حضرت شیخ الہندؒ ص اول)

تفسیر مراد یہ کے کچھ عرصے کے بعد اردو زبان میں حضرات دہلی کے بامحاورہ اور تحت اللفظ ترجمے منظر عام پر آگئے، اور اُردو زبان میں تصنیف وتالیف کے لئے وسیع ترین میدان کھل گیا اور بعد ازاں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کا قیام عمل میں آیا، جس کے مترجمین ومصنفین کے ذریعہ سے اردو نثر کو زبردست فروغ حاصل ہوا۔

شاہ عبدالقادر کا ترجمۂ قرآن مجید اس ترجمے وتفسیر کے ۲۱ سال بعد ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء میں حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے قرآن مجید کا وہ مشہور ترجمہ کیا جو موضح القرآن کے نام سے موسوم ہے، اس کا نمونہ یہ ہے۔

"سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہان کا، بہت مہربان نہایت رحم والا، مالک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انصاف کے دن کا، تجھی کو بندگی کریں اور تجھی سے مدد چاہیں، چلا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان کی
جن پر تو نے فضل کیا، نہ ان کی جن پر غصہ ہوا اور نہ بہکنے والے۔

موضح القرآن میں حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا طرز بیان یہ ہے:-

"سب تعریفیں اور بڑائیاں خاصی سے خاصی اور ستھری سے ستھری اول سے آخر تک جو
ہوئی ہیں اور ہوں گی تمام خدائے تعالیٰ ہی کو لائق ہیں جو پیدا کرنے والا اور پالنے والا
سب طرح کی ساری خلقت کا ہے جو بہت مہربان نہایت مہربانی کرنے والا ہے۔
بادشاہ ہے مختار انصاف کے دن کا۔ تیری ہی بندگی کرتے ہیں ہم دل اور جان سے سب کو
چھوڑ کر اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں ہم سب سے منھ موڑ کر۔ چلا ہم کو اور بتا اور سمجھا ہم کو
سیدھی راہ ہر بات اور ہر کام میں جس راہ سے تو خوش ہو۔ راہ اُن لوگوں کی سمجھا ہم کو جن پر
فضل اور رحم کیا ہے تو نے اُن پر۔ نہ اُن لوگوں کی راہ بتا جن پر غصے ہوا تو اور نہ بہکے ہوئے
گمراہوں کی راہ دکھا ہم کو۔ الٰہی ایسا ہی ہو جو اچھے لوگوں کی راہ چلنے کی توفیق ملے ہم کو اور برے
لوگوں کی راہ نہ چلیں ہم۔

فائدہ: جن پر تو نے فضل کیا اُن سے چار فرقے مراد ہیں، نبیین و صدیقین و شہدا و صالحین
اور جن پر غصے ہوا اُن سے یہود اور گمراہوں سے نصاریٰ مراد ہیں۔ یہ سورہ خدائے تعالیٰ
نے بندوں کی زبان سے بھیجا اور سکھایا اپنے بندوں کو جو اس طرح کہا کریں۔

(موضح القرآن جلد اول ص ۳ و ۴)

شاہ مراد اللہ انصاریؒ اور شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے ترجموں کے موازنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں
میں بڑی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے، اس سے یقین کیا جا سکتا ہے کہ تفسیر مرادیہ اور اس کا ترجمہ شاہ
عبدالقادرؒ کے پیش نظر رہا ہے۔

اُردو نثر اور شاہ مراد اللہ انصاری اُردو نثر کے بارے میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج کے قیام
سنہ ۱۸۰۰ء سے پہلے اُردو نثر ابتدائی منزل میں تھی، اس کے لکھنے والے فارسی طرز ادا کے تتبع میں مقفیٰ و مسجع
۱۵ ۱۲ھ

© rasailojaraid.com

عبارتیں لکھتے تھے، فورٹ ولیم کالج کے مصنفین کے ذریعے سے اُردو میں سادگی، سلاست اور روانی پیدا ہوئی جس سے اُردو نثر نے حیرت انگیز ترقی کی، فورٹ ولیم کالج کے اہلِ قلم نے ڈاکٹر جان گل کرسٹ (JOHN GIL CHRIST) کی رہنمائی میں سلیس اور سادہ نثر نگاری کو مقصد قرار دے کر تصنیف و ترجمے کے کام کا آغاز کیا، اور بعد میں آنے والے اُردو نثر نگاروں نے فورٹ ولیم کالج کے اسی طرز کو اپنایا۔

مولوی عبدالحق صاحب نے شعرائے اُردو کے تذکرے گلشنِ ہند مؤلفہ مرزا علی لطف کے مقدمہ میں اُردو زبان پر انگریزوں کے احسان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"ہندوستان کی جدید زبانوں میں سب سے زیادہ ہونہار (اُردو، نظر آئی) اس لئے انھوں (انگریزوں) نے اس کی سرپرستی کی، سب سے بڑا احسان ڈاکٹر جان گل کرسٹ کا ہے جس نے انیسویں صدی کے شروع میں بمقام فورٹ ولیم کالج[1] کلکتہ اس کا ایک محکمہ قائم کیا۔"

---

[1] فورٹ ولیم کالج ۱۸۰۰ء ۱۲۱۵ھ میں کلکتہ میں قائم ہوا۔ اس کالج کے قیام کا مقصد ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز ملازمین کو اُردو زبان سے واقف کرانا تھا، اس زمانے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر جنرل لارڈ ویلزلی نے اس کالج میں پرنسپل کے عہدے پر ڈاکٹر جان گل کرسٹ کو مامور کیا، گل کرسٹ نے محسوس کیا کہ ہندوستان کی زبانوں میں صرف اُردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو ملک کے بہت بڑے حصے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، گل کرسٹ کو خود بھی اُردو زبان سے بڑی دلچسپی اور شغف تھا، اس نے اردو میں تصنیف و ترجمے کے لئے کالج میں ایک مستقل شعبہ قائم کیا۔

فورٹ ولیم کالج نے اُردو کی سب سے بڑی یہ خدمت کی کہ سلیس نگاری کو رواج دیا اور اس مقصد کے لئے ہندوستان کے لائق اہلِ قلم کو جمع کر کے کتابیں لکھوائیں۔ میر امن دہلوی، سید حیدر بخش حیدری، میر شیر علی افسوس، میر بہادر علی حسینی، مظہر علی خاں ولا، بینی نرائن جہاں، للو لال کوی اور مرزا علی لطف وغیرہ فورٹ ولیم کالج کے مشہور و معروف اہلِ قلم تھے۔

یہ کالج ۲۰ سال تک قائم رہا، اس مدت میں کالج کے ۱۰ مصنفین نے قصص و حکایات، تاریخ و تذکرہ، مذہب و اخلاق اور صرف و نحو وغیرہ کی تقریباً ۵۰ کتابیں تصنیف و تالیف اور ترجمہ کیں، اُردو زبان کا یہ پہلا علمی و ادبی ادارہ تھا، اس کالج میں ایک مطبع بھی قائم کیا گیا تھا، اُردو کے نستعلیق ٹائپ کا ہندوستان میں یہ پہلا مطبع تھا۔

© rasailojaraid.com

جس کا ابتدائی اور اصلی مقصد یہ تھا کہ جو انگریز یہاں ملازمت اختیار کرتے ہیں اُن کی تعلیم کے لئے اُردو کی مناسب اور مفید کتابیں تالیف کرائی جائیں، اس شخص نے اُس وقت کے قابل لوگ بہم پہنچائے اور کتابیں لکھوانا شروع کیں، حقیقت یہ ہے کہ اُردو نثر کا تکملہ اُسی وقت سے شروع ہوا، اور بلا مبالغہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو احسان ولی نے اُردو نظم پر کیا تھا اُس سے زیادہ نہیں تو اسی قدر احسان جان گل کرسٹ نے اُردو نثر پر کیا ہے"

(تذکرہ گلشن ہند ص ۳ و ۴)

آئیے ! ذرا تاریخی حیثیت سے اس کا جائزہ لیں جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ اس نے اپنا کس قدر حصہ پیش کیا ہے۔

فورٹ ولیم کالج کے اہلِ قلم خصوصاً میر امّن دہلوی کو جدید اُردو نثر کا سنگ بنیاد رکھنے والا لیکن تفسیرِ مرادیہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ موجودہ نثر کا آغاز درحقیقت میر امّن سے ۲۵ سال پہلے ہو چکا تھا، شاہ مراد اللہ نے تفسیرِ مرادیہ میں اُردو نثر کا جو اُسلوب پیش کیا ہے وہ اُس دور کے عام طرزِ نگارش کے برعکس سادہ بھی ہے اور سلیس بھی۔ بعد میں فورٹ ولیم کالج کے مصنفین نے جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ اس سے بہت ملتا جلتا ہے اور ٹھیک اسی نثر کا چربہ معلوم ہوتا ہے، اس لئے جدید نثر کے اس دور کا آغاز فورٹ ولیم کالج کے مصنفین کے بجائے درحقیقت تفسیرِ مرادیہ کے مصنف سے ماننا چاہئے جس کی زبان بے حد سادہ اور آسان ہے، اور اس میں عام بول چال کے انداز کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔

آپ اوپر دیکھ چکے ہیں کہ تفسیرِ مرادیہ کی زبان اور عبارت حیرت انگیز طور پر اُس دور کی نثر سے مختلف ہے، اس کا اُسلوبِ بیان سلاست و روانی، شگفتگی اور سادگی کے لحاظ سے اُردو نثر نگاری میں اپنی مثال آپ ہے ! اُردو نثر کا جو ترقی پذیر اُسلوب اس میں پیش کیا گیا ہے وہ خود شاہ مراد اللہ انصاری کا ایجاد کیا ہوا ہے، کیوں کہ اس دور کی اُردو نثر کے جو نمونے اب تک دستیاب ہوئے ہیں اُن سب میں یہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے، اُس دور کے کسی نثر نگار کے طرزِ بیان میں تفسیرِ مرادیہ کی سی سادگی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دل کشی موجود نہیں ہے، اس میں نہ عربی فارسی کے الفاظ کی بھرمار ہے، اور نہ ہندی الفاظ کی کثرت ہے بلکہ دونوں کی نہایت عمدہ آمیزش ہے، اور ایک خاص تناسب کے ساتھ عربی فارسی اور ہندی کے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ تفسیرِ مرادیہ میں اُس دَور کی روشِ عام کے مطابق گنجلک اور تعقید سے معمور عبارت کے بجائے سادہ اور بے تکلف عام بول چال کی زبان اختیار کی گئی ہے، جملے عام طور پر چھوٹے چھوٹے ہیں اسلوبِ بیان عام فہم اور بے تکلف ہے، اگر اس سے متروک الفاظ نکال دیئے جائیں، اور تذکیر و تانیث کو نظر انداز کر دیا جائے تو تفسیرِ مرادیہ کی زبان موجودہ نثر کے بہت قریب معلوم ہوتی ہے، اور یہ اندازہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ یہ دو سو سال کی پرانی کوئی زبان ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس نثر سے بعد میں کوئی کام نہیں لیا گیا؟

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے تفسیرِ مرادیہ کو اپنے زمانے میں بڑا قبولِ عام حاصل ہوا، اور اس کے کئی ایڈیشن بہت تھوڑی مدت میں یکے بعد دیگرے مختلف مقامات سے شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ نکل گئے، اس لئے کوئی وجہ نہیں رہ جاتی کہ مستفیدین خصوصاً فورٹ ولیم کالج کے اہلِ قلم نے اس ترقی پذیر سادہ اور سلیس نثر سے فائدہ نہ اٹھایا ہو، شاہ مراد اللہ انصاری نے اُردو نثر نویسی کی ترقی کے لئے جو نئی اور کامیاب راہ نکالی تھی متاخرین اہلِ قلم اسی راہ پر گامزن نظر آتے ہیں، درحقیقت تفسیرِ مرادیہ کی یہ سادہ اور دل کش زبان ادبیاتِ اُردو کا ایک اہم نثری کارنامہ اور ہمارا قابلِ فخر ادبی سرمایہ ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ موجودہ اُردو نثر اسی طرز کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔

جس زبان میں تصنیف و تالیف تو کجا اُس زمانے کے پڑھے لکھے لوگ خط و کتابت کرنا بھی معیوب سمجھتے تھے حتیٰ کہ اُردو شعراء کے تذکرے بھی فارسی زبان میں لکھے جاتے تھے، اسی کم مایہ زبان کو بنا سنوار کر ایک ایسی راہ پر ڈال دینا کہ بہت جلد اس میں ادبی اور علمی زبان بننے کی صلاحیت پیدا ہو گئی تاریخ لسانیات کا ایک عظیم کارنامہ ہے! اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آگے چل کر اُردو نثر میں ہر علم و فن کی وقیع ترین کتابیں لکھی جانے لگیں اور بہت تھوڑے عرصے میں اس زبان کا دامن علوم و فنون کے گراں بہا خزانے سے مالا مال ہو گیا، یہاں تک کہ دنیا کی کہن سال علمی زبانوں کی طرح اب اُردو کا شمار بھی دنیا کی بڑی اور عظیم علمی زبانوں میں ہوتا ہے، اُردو نثر کی یہ ایسی گراں قدر اور عظیم الشان خدمت ہے جسے فراموش نہیں کیا جانا چاہئے، واقعیت اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اُردو نثر کے اس محسن کی ذہنی کاوش اور ادبی کوشش کا واقعی اعتراف کیا جائے، اور اب تک اس بارے میں جو کوتاہی ہوئی ہے آئندہ اس کی تلافی ہو جانی چاہئے!

۲۷

© rasailojaraid.com